مسئلہ ایصال ثواب اور قرآن خوانی

تحریر: مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، لاہور

ایصال ثواب یا اہدائے ثواب کے مسئلے میں بالعموم لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں، ایک گروہ تو مطلقاً ایصال ثواب کا قائل نہیں، اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے بہت عام کر دیا ہے اور ہر طرح کی عبادات کا ثواب فوت شدگان کو پہنچانے کے قائل اور عامل ہیں، ہمارے نزدیک دونوں گروہ کا موقف صحیح نہیں ہے۔

اس کی عدم مشروعیت کے قائل منکرین حدیث ہیں، وہ کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے ﴿ **لیس للانسان الاماسعی** ﴾ (النجم:۳۹) ترجمہ: ''انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہوگی'' یہ نص قرآنی ہے، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو روز قیامت اسی عمل کی جزاء ملے گی، جو اس نے خود کیا ہوگا۔ اچھے عمل کی اچھی جزاء اور برے عمل کی بری جزاء۔ یہ نہیں ہوگا کہ برائیوں کے مرتکب شخص کی جزاء، اس کے مرنے کے بعد، ایصال ثواب کی نیت سے کئے گئے عملوں سے تبدیل ہو جائے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اور اس کا یہ مفہوم بالکل صحیح ہے، لیکن قرآن مجید کی یہ آیت عام ہے، اس سے دو چیزیں مستثنیٰ ہوں گی، جن کا اثبات احادیث صحیحہ سے ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن کے عموم کی تخصیص احادیث سے ثابت ہے، قرآن کے بہت سے عموم کی تخصیص، یا اس کے اجمال کی تفصیل احادیث سے کی گئی ہے، اس لئے دین وہ ہے جو دونوں کے مجموعے سے ثابت ہے، احادیث کو نظر انداز کر کے محض قرآن کے عموم یا اجمال سے کسی مسئلے کا اثبات گمراہی ہے، اس لئے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ قرآن کے زیر بحث عموم کو احادیث میں کس طرح مخصوص کیا گیا ہے، وہ مخصوص یا مستثنیٰ چیزیں یقیناً جائز اور مستحب بلکہ بعض حالات میں واجب ہوں گی۔

میت کے لئے دعاء واستغفار:

ان میں ایک دعاء واستغفار ہے، یعنی فوت شدگان کیلئے مغفرت اور رفع درجات کی دعاء والتجاء کرنا، یہ احادیث سے، بلکہ خود قرآن سے بھی ثابت ہے، قرآن کریم میں والدین کیلئے مغفرت وطلب رحمت کی دعا سکھلائی گئی ہے ﴿**رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً**﴾ (بنی اسرائیل:۲۴) ترجمہ: ''اے اللہ! ان پر اس طرح رحمت فرما جیسے بچپن میں انہوں نے مجھے شفقت سے پالا''۔ یہ دعا صرف زندگی ہی کیلئے نہیں ہے، بلکہ جب تک انسان زندہ ہے، اسے حکم ہے کہ وہ والدین کیلئے یہ دعا کرتا رہے، اب اگر دعا کا فائدہ ہی میت کو نہ ہو تو اس دعا

کرنے کا کیا مطلب؟ اگر فوت شدگان کیلئے دعا کی افادیت ہی نہ ہو تو قرآن کریم کا یہ حکم (نعوذ باللہ) عبث فعل قرار پائے گا۔ اسی طرح عام مومنوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا حکم ہے ﴿ **ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان** ﴾ (الحشر:۱۴) ترجمہ: ''اے اللہ! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جنہوں نے ایمان لانے میں ہم سے سبقت کی'' اس میں تمام مومنین، سابقین آ گئے، جس میں زندہ مردہ سب شامل ہیں۔ حتیٰ کہ صدیوں قبل کے فوت شدہ مسلمان بھی، اللہ تعالیٰ نے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کی بابت فرمایا ہے کہ ''وہ اہل ایمان، ان کے آباء واجداد اوران کی ازواج وذریات کیلئے مغفرت ورحمت اور دخول جنت کی دعا کرتے ہیں'' (المؤمن:۷) فرشتوں کی یہ دعا صرف زندہ مسلمانوں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ ایمان پر مرنے والے سب مسلمانوں کیلئے بھی ہے۔

قرآن کریم کی مذکورہ اور دیگر بعض آیات سے واضح ہے، کہ دعا کا فائدہ جس طرح زندہ کو پہنچتا ہے، اسی طرح مردہ کو بھی پہنچتا ہے، اسی لئے سب کے لئے بلا تخصیص دعاء کرنے کا حکم ہے اور فرشتے بھی سب ہی کیلئے دعا کرتے ہیں، نہ کہ صرف زندہ کیلئے، اور حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فوت شدگان کیلئے نہایت خلوص سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے، نماز جنازہ بجائے خود کیا ہے؟ یہ میت کیلئے مغفرت کی دعا ہے۔ قبرستان جا کر جو دعا پڑھی جاتی ہے، جس کے الفاظ نبی ﷺ نے بیان فرمائے ہیں، اس میں بھی اپنے فوت شدگان کیلئے مغفرت، سلامتی اور عافیت کی دعا ہے، اگر دعا کا فائدہ فوت شدہ لوگوں کو نہ ہوتا تو نبی ﷺ خود یہ دعائیں پڑھتے اور نہ اپنی امت کو پڑھنے کی تلقین فرماتے اور اسی طرح نماز جنازہ پڑھنا بھی غیر ضروری ہوتا۔ علاوہ ازیں شفاعت سے بھی مومنوں کو قیامت کے دن فائدہ ہوگا، جو قرآن کریم سے ثابت ہے، یہ بھی از قبیل دعا ہی ہے، اس لئے فوت شدگان کیلئے دعائے مغفرت، ایک مفید عمل ہے۔

انسان کے اچھے یا برے عمل کا صلہ اور صدقاتِ جاریہ:

انسان نے زندگی میں اگر ایسے کام کئے ہوں، جن کے اثرات وفوائد اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہیں، ان فیوضات جاریہ کا ثواب بھی اسے پہنچتا رہے گا، اسی طرح اگر ایسے برے کام کئے ہوں گے جو محض اس کی کوششوں کی وجہ سے جاری ہوئے ہوں گے ان کا گناہ بھی مسلسل اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا، جیسے حدیث میں ہے کہ جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے تو قاتل کے ساتھ ساتھ اس کا گناہ آدم کے بیٹے (قابیل) کو بھی ملتا ہے، جس نے سب سے پہلے اپنے بھائی (ہابیل) کو ناحق قتل کر کے اس ظالمانہ رسم کا آغاز کیا۔

مشہور حدیث ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، لیکن تین چیزیں جاری رہتی ہیں: (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ) اس حدیث کی بنیاد بھی یہی ہے کہ زندگی میں اس نے ایسے عمل کئے ہوں، جس کا سلسلۂ فیض اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہے، تو اس کا اجر بھی اسے برابر ملتا رہے گا۔ صدقہ جاریہ (مسجد و مدرسہ کی تعمیر، کنواں یا پانی کی سبیل، یا پانی کی موٹر وغیرہ لگوانا) اس کا اپنا عمل ہے، لیکن ایسا عمل جو مرنے کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوا، بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی جاری ہے، دینی علوم کی تعلیم و تدریس یا ان کی توضیح و تشریح، اس کا اپنا عمل ہے، جب تک اس کے شاگرد یا کتابیں موجود ہیں اور ان سے لوگ فیض یاب ہو رہے ہوں گے، اسے اجر و ثواب ملتا رہے گا۔ اولاد کی صحیح تربیت کر کے انہیں صالح بنانا، اس کی کوششوں کا نتیجہ ہے، جب تک اس کی کاوشوں کی وجہ سے اولاد نیک رہے گی، نیکی کے کاموں میں حصہ لیتی رہے گی، اسے بھی اجر و ثواب ملے گا۔

صدقہ و خیرات کرنا:

مرنے کے بعد اس کے اقارب کی طرف سے ایصال ثواب کی نیت سے صدقہ و خیرات کرنا، اس میں اگرچہ مرنے والے کا کوئی حصہ نہیں ہے، لیکن چونکہ یہ احادیث سے ثابت ہے، اس لئے ایصال ثواب کا یہ طریقہ بھی جائز اور مشروع ہے، اس میں بعض علماء نے اقارب یا صرف وارث کی شرط عائد کی ہے، لیکن یہ شرط ضروری نہیں ہے۔ احادیث میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں، وہ قریبی رشتے داروں ہی کے ہیں اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ مرنے والے کیلئے صدقہ و خیرات کا اہتمام بالعموم اقرباء ہی کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں، تاہم یہ شرط ضروری نہیں ہے، جو بھی کسی میت کے ایصالِ ثواب کیلئے کوئی صدقہ کرے گا، میت کو اس کا ثواب پہنچے گا (بشرطیکہ حلال وطیب مال سے ہو اور عنداللہ قبول ہو جائے) تاہم تیجہ، ساتواں، دسواں یا چہلم وغیرہ کا ثواب نہیں پہنچے گا، کیونکہ یہ بدعات ہیں، جو ہندوؤں کی نقالی میں مسلمانوں نے اپنائی ہوئی ہیں، اور ان میں رشتے داروں ہی کی لذتِ کام و دہن کا سامان ہے، صدقہ و خیرات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، صدقہ اللہ کی رضا کیلئے بغیر کسی دن کے تعین کے، غرباء و مساکین کی ضروریات کو پورا کرنے کا نام ہے، انہیں اگر کھانے کی ضرورت ہو تو انہیں کھانا مہیا کیا جائے، لباس کی ضرورت ہے تو ان کی تن پوشی کا اہتمام کیا جائے، وہ علاج کے ضرورت مند ہیں تو ان کیلئے دوا دارو کا انتظام کیا

جائے، انہیں شادی کی ضرورت ہے تو اس میں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے، کاروباری مشکلات ہیں تو ان میں ان کو سہارا دیں، دین کی نشر واشاعت میں حصہ لیا جائے، وغیرہ۔

میت کے ذمے فرائض کی ادائیگی کا حکم:

احادیث میں دو چیزوں کا مزید ذکر ہے، میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا اور حج کرنے کا، اور یہ متفق علیہ روایات ہیں، یعنی صحیح بخاری و مسلم میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔

میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا مسئلہ:

روزہ رکھنے کی روایات دو طرح سے مروی ہیں، ایک میں مطلقاً روزے کی بابت سوال کیا گیا، پوچھنے والے نے پوچھا کہ میت کے ذمہ ایک مہینے یا پندرہ دن کے روزے ہیں، کیا وہ رکھے جائیں؟ نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا: میت کے ذمے اگر روزے ہیں تو یہ اللہ کا قرض ہیں، انہیں ادا کرنا دنیاوی قرضوں سے زیادہ اہم ہے اور بعض روایات میں ہے کہ میت کے ذمے نذر کے روزے ہیں، آپ نے انہیں پورا کرنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیہ صوم، حدیث ۱۹۵۲، ۱۹۵۳۔ صحیح مسلم، الصیام، حدیث ۱۱۴۷، ۱۱۴۸)

بعض علماء نے ان احادیث کی بنا پر میت کی طرف سے اس کے قضاء شدہ یا نذر کے روزے رکھنے کا جواز تسلیم کیا ہے اور بعض علماء کے خیال میں اس سے مراد صرف نذر کے روزوں کی قضاء ہے، یعنی انہوں نے روزوں کی قضاء سے متعلق روایت کو نذر کی صراحت والی روایت کے ساتھ خاص کر دیا ہے، چنانچہ شیخ البانی حضرت عائشہؓ سے مروی روایت (من مات و علیه صیام، صام عنه ولیه) (بخاری، کتاب و باب مذکور) ترجمہ: ''جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو ولی اس کی طرف سے روزے رکھے''۔

اس حدیث کی تعلیق میں لکھتے ہیں: (والأرجح ان ذلک فی صوم النذر و اما صوم رمضان فلا) (تعلیقات ریاض الصالحین، ص ٦٢٧) ترجمہ: ''زیادہ راجح بات یہ ہے کہ قضاء کا یہ حکم نذر کے روزوں سے متعلق ہے، رمضان کے روزوں کی قضاء ضروری نہیں ہے''۔ شیخ البانیؒ کا یہ موقف زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ روزہ بدنی عبادت ہے، اس میں نیابت جائز نہیں، جب زندگی میں نیابت کی گنجائش نہیں ہے تو مرنے کے بعد اس کا جواز کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اس موقف کی بنیاد پر صرف نذر کے روزے میت کی طرف سے رکھنے جائز ہوں گے، کیونکہ یہ نص صریح (صحیح حدیث) سے ثابت ہیں۔

اور دوسرے علماء کے نزدیک قضاء شدہ اور نذر، دونوں قسم کے روزے رکھنے جائز ہیں، تاہم ان کے نزدیک بھی صرف روزوں ہی کا جواز ہے، کوئی اور بدنی عبادت میت کی طرف سے نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: بدنی عبادت میں اصل یہ ہے کہ اس میں نیابت نہیں ہوسکتی، اور روزہ عبادت ہے، اس میں زندگی میں نیابت کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح موت میں (یعنی مرنے کے بعد) بھی نہیں ہوسکتی، سوائے اس صورت کے جس کی بابت کوئی دلیل ہو، پس جس کی بابت دلیل وارد ہوگی، نیابت اس صورت تک محدود ہوگی اور باقی عبادات اپنی اصل پر باقی رہیں گی (یعنی ان میں نیابت جائز نہیں ہوگی) یہی بات راجح ہے۔' (فتح الباری، کتاب الصوم باب من مات وعلیہ صوم، ۴؍۲۴۷، مطبوعہ دارالسلام، ریاض) اس اصول کی رو سے میت کی طرف سے صرف نذر کے روزے یا زیادہ سے زیادہ اس کے ذمے رمضان کے فرض روزوں کی قضاء جائز ہوگی، اس کے علاوہ میت کی طرف سے کوئی اور بدنی عبادت کرنی جائز نہیں ہوگی اور یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ چونکہ ایک عبادت کا میت کی طرف سے کرنا ثابت ہے تو دوسری عبادات بھی اس کی وجہ سے صحیح ہوں گی، عبادات میں اس قسم کے قیاس کی گنجائش نہیں، عبادات توقیفی ہیں، یعنی شریعت کی طرف سے مقرر ہیں، ان میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ روزے صرف اس کی طرف سے رکھنے ضروری ہوں گے جو قدرت رکھنے کے باوجود روزے نہ رکھ سکا ہو، اگر شدید بیماری کی وجہ سے کسی کے فرضی روزے رہ گئے ہوں اور وہ اسی بیماری کی حالت میں فوت ہوجائے تو ﴿لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا﴾ (البقرۃ) کے تحت اللہ اس کو ویسے ہی معاف فرمادے گا، روزے اس کے ذمے متصور ہی نہ ہوں گے۔ (المحلی لابن حزم مسئلہ نمبر ۷۷۶، فقہ السنہ ۱؍۳۹۸)۔

میت کی طرف سے حج کرنا

دوسری چیز جس کا ذکر حدیث میں ہے، میت کی طرف سے حج کرنے کا ہے، یعنی صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے حج نہیں کرسکا اور فوت ہوگیا، یا اس نے حج کی نذر مانی تھی لیکن اس نے ابھی نذر پوری نہیں کی تھی، کہ اس کا وقت آخر آگیا، ان دونوں صورتوں میں میت کی طرف سے حج کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے اسے اللہ کا ایسا حق قرار دیا جس کا قرض کی طرح ادا کرنا ضروری ہے، ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا، میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، لیکن حج کرنے سے پہلے فوت ہوگئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، اس کی طرف سے حج کر۔

بھلا یہ بتلا اگر تیری ماں پر قرض کا بوجھ ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتی؟ (اسی طرح) اللہ کا قرض ادا کرو، اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا حق پورا کیا جائے۔ (صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج والنذر عن المیت ۔۔۔۔مع فتح الباری ۸۴/۴)

اس طرح حدیث میں اس شخص کی طرف سے بھی حج کرنے کا حکم ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود زیادہ بڑھاپے یا کسی اور عذر کی وجہ سے خود حج کرنے پر قادر نہ ہو۔ حافظ ابن حجرؒ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے حج کرنا ہو تو اس کے وارث پر واجب ہے کہ اس کے مال میں سے اس کی طرف سے حج کا انتظام کرے، جیسے اس کے ذمے قرض ہو تو اسے ادا کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اس پر اجماع ہے کہ آدمی کا قرض اس کے اصل مال سے ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح اور بھی قضاء کے اعتبار سے جو اس کے مشابہ حق ہیں (ان کی ادائیگی بھی ضروری ہے) اور حج کے ساتھ ہر وہ حق بھی اس حکم میں شامل ہوگا جو مرنے والے کے ذمے ہو جیسے کوئی کفارہ، یا نذر یا زکوٰۃ وغیرہ''۔ (فتح الباری ۸۵/۴)

حج ایسی عبادت ہے جو بدنی کے ساتھ مالی عبادت بھی ہے۔ اسی طرح کفارہ اور زکوٰۃ وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ یہ مالی عبادات اگر میت کے ذمے ہوں تو ان کا ادا کرنا ضروری ہے، کیونکہ احادیث میں اس کی صراحت آ گئی ہے، تاہم ان کے علاوہ کسی اور عبادت کا میت کی طرف سے کرنا جائز نہیں ہوگا۔

روزے اور حج کی بابت مذکورہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس کے ذمے یہ فرائض رہ گئے ہوں، یعنی وہ اپنی زندگی میں کسی معقول وجہ سے ادا نہ کر سکا ہو۔ روزے (نذر یا رمضان کے) رہ گئے، صحت مند یا قادر ہونے کے باوجود اس نے نہیں رکھے، تو ان کا ادا کرنا ورثاء کیلئے ضروری ہوگا۔ اس سے ایک تو یہ اصول معلوم ہوا کہ میت کے ذمے کوئی فرض رہ جائے تو وہ اللہ کا ایک قرض ہے، جس کی ادائیگی کا اہتمام (دوسرے قرضوں کی طرح) کیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ حافظ ابن حزمؒ نے اسی بنیاد پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی تھی، لیکن وہ یہ نذر پوری کرنے سے قبل ہی فوت ہو گیا، تو اس کی طرف سے اس نذر کا پورا کیا جانا ضروری ہے۔ (المحلیٰ، مسئلہ نمبر ۶۳۵، کتاب الاعتکاف) بلکہ ہر نذر طاعت کا پورا کرنا ضروری ہے (حوالہ مذکور) اسی طرح اگر کسی شخص کی نماز بھول جانے یا نیند کی وجہ سے رہ گئی اور وہ اسے نہیں پڑھ سکا اور اسے موت آ گئی تو یہ نماز بھی اس کے ذمے اللہ کا قرض ہے۔ جس کی ادائیگی کے ورثاء مکلّف ہیں۔ (المحلیٰ، کتاب الصیام مسئلہ نمبر ۷۷۵) اسی طرح

کفارہ اور مالی واجبات زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی ضروری ہے۔

دوسرا اصول یہ معلوم ہوا کہ جس کے ذمے شرعاً کوئی حق واجب نہ ہو، تو ورثاء اس کی ادائیگی کے ذمے دار نہیں ہیں، جیسے ایک شخص غربت میں فوت ہو گیا، اس پر حج فرض نہیں ہوا تو اس کے ورثاء صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اس کی طرف سے حج کرنے کے مکلّف نہیں ہیں، تاہم ایصال ثواب کے نقطہ نظر سے حج کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو اس کی گنجائش ابوداؤد کی ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے، جو آگے آرہی ہے۔

میت کی طرف سے قربانی کرنا:

میت کی طرف سے ایصال ثواب کیلئے قربانی کرنا کیسا ہے؟ اس میں علماء کی دو رائے ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ یہ بھی چونکہ صدقے کی ایک صورت ہے اور میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثبوت موجود ہے، اس لئے یہ جائز ہے، اسی لئے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا سارا گوشت غرباء و مساکین ہی میں تقسیم کیا جائے اور اس میں کوئی حصہ اپنے لئے نہ رکھے، جیسے قربانی کے گوشت میں ہوتا ہے کہ انسان کچھ اپنے لئے رکھ لیتا ہے اور کچھ رشتہ داروں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

اور دوسری رائے یہ ہے کہ فوت شدہ کی طرف سے قربانی کرنے کی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، وہ روایت بھی سنداً ثابت نہیں ہے، جس میں ہے کہ حضرت علیؓ ہمیشہ دو جانور کی قربانی کیا کرتے تھے، ایک اپنی طرف سے اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی طرف سے۔ البتہ خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے جو قربانی کی وہ آپ نے اپنی اور اپنی امت کے ان لوگوں کی طرف سے کی جو قربانی کی استطاعت نہیں رکھتے اور بعض روایات میں دو جانور قربان کرنے کا ذکر ہے، ایک اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے غیر مستطیع لوگوں کی طرف سے، لیکن علماء کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ نبی ﷺ کا یہ فعل آپ کی خصوصیات میں سے ہے، جس میں امت کیلئے آپ کی اقتداء جائز نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ اسی بات کے قائل ہیں، محدث عصر شیخ البانی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''احادیث میں جو آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کے ان لوگوں کی طرف سے قربانی کی جو قربانی کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، تو یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے'' جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۵۱۴/۹) میں اہل علم سے نقل کیا ہے، اور یہی بات صحیح ہے، اس لئے کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ نبی ﷺ کی اقتداء میں امت کی طرف سے قربانی کرے، زیادہ لائق بات یہی ہے کہ اس قربانی پر دوسری عبادات کا قیاس نہ کیا جائے، جیسے نماز، روزہ، تلاوت اور اس جیسی دیگر طاعات ہیں، کیونکہ نبی ﷺ سے

اس کی بابت کوئی چیز منقول نہیں، پس کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھے، نہ کوئی کسی اور کی طرف سے روزہ رکھے، نہ کوئی کسی دوسرے شخص کی طرف سے قرآن پڑھے، اور اس کی اصل قرآن کی یہ آیت ہے کہ 'انسان کو سی کی جزاء ملے گی جس کی اس نے کوشش کی ہوگی' تاہم اس اصل سے وہ امور مستثنیٰ ہیں جن کی بابت نص میں صراحت آگئی ہے۔' (ارواء الغلیل ۴/۳۵۴)

میت کے لئے قرآن خوانی:

اب رہ گیا مسئلہ قرآن خوانی کا کہ اس طرح ایصال ثواب صحیح ہے یا نہیں؟

اس کا جواب مذکورہ دلائل کی روشنی میں واضح ہے کہ قرآن خوانی بدنی عبادت ہے، جیسے نماز، روزہ بدنی عبادات ہیں، اور عبادات، بالخصوص بدنی عبادات ایک دوسرے کی طرف سے ادا نہیں کی جا سکتیں، کوئی شخص نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر کسی فوت شدہ کو ثواب نہیں پہنچا سکتا، اس لئے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، محض ہمارے مفروضے پر کسی کو ثواب نہیں پہنچ سکتا، فوت شدہ کے ذمے کچھ فرائض رہ گئے ہوں تو ان کو نیابتاً ادا کرنا اور بات ہے، اگر اس کی ادائیگی کیلئے شرعی دلیل موجود ہے تو ان کا ادا کرنا صحیح ہوگا، (جیسا کہ پہلے تفسیر گزری) لیکن محض اپنی طرف سے نیکی کے کچھ کام کر کے کسی فوت شدہ کو اس کا ثواب پہنچانا، ایک الگ صورت ہے، اس کیلئے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے، یہ دونوں ہی صورتیں ﴿لیس للانسان الا ماسعی﴾ کے خلاف ہیں، لیکن پہلی صورت کو چونکہ احادیث نے اس عموم سے مستثنیٰ کر دیا ہے، اس لئے ان کے جواز اور بعض دفعہ وجوب میں کوئی شک نہیں، لیکن دوسری صورت اس قرآنی عموم کی رو سے ممنوع ہوگی، جب تک کہ اس کیلئے کوئی صحیح دلیل شرعی موجود نہ ہو۔

اور قرآن خوانی کیلئے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور قیاس سے کسی ملتی جلتی شکل کا حکم تو معلوم کیا جا سکتا ہے، لیکن عبادات میں قیاس کر کے اپنے طور پر کسی کام کو ثواب کا باعث قرار نہیں دیا جا سکتا، قرآن خوانی کی حیثیت ایسی ہی ہے، اسے لوگوں نے اپنے طور پر مردوں کیلئے ثواب رسانی کا ذریعہ سمجھ لیا ہے، کسی شرعی دلیل سے اس کا اثبات نہیں ہوتا، یا پھر بعض عبادات پر انہوں نے قیاس کیا ہے، حالانکہ عبادات میں قیاس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

بعض ضعیف احادیث سے استدلال:

دار قطنی کی دو روایات سے استدلال کر کے ہر قسم کی عبادات کا ثواب بخشنے کا جواز ثابت کیا جاتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا، میں اپنے والد کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا ہوں

،ان کے مرنے کے بعد کیسے کروں؟ فرمایا: 'یہ بھی ان کی خدمت ہی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد تو اپنی نماز کے ساتھ ان کیلئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کیلئے بھی روزے رکھے'۔ ایک دوسری روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کا قبرستان پر گزر ہو اور وہ گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو جتنے مردے ہیں، اتنا ہی اجر عطا کر دیا جائے گا''۔ (تفہیم القرآن، ۲۱۶/۵) لیکن یہ دونوں روایات سنداً ضعیف ہیں، اس لئے ان سے استدلال صحیح نہیں، اس طرح کی بعض اور روایات بھی بیان کی جاتی ہیں، لیکن وہ بھی ضعیف ہونے کی بنا پر نا قابل استدلال ہیں۔

ایصال ثواب کی تین صورتوں کا جواز:

البتہ اس ضمن میں ایک اور حدیث بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے دادا عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی، ان کے چچا ہشام بن عاص نے ان کی وفات کے بعد اپنے حصے کے پچاس اونٹ (اپنے باپ کی طرف سے) ذبح کر دیئے، حضرت عمرو بن عاصؓ (یعنی عاص کے دوسرے بیٹے) نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا، اگر تمہارے باپ نے توحید کا اقرار کر لیا تھا تو تم ان کی طرف سے روزہ رکھو یا صدقہ کرو، وہ ان کیلئے نافع ہوگا۔ (تفہیم القرآن، ۶۱۲/۵)

یہ روایت مسند احمد کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اور سنن ابوداؤد میں بھی موجود ہے۔ (دیکھئے کتاب الوصایا، باب ماجاء فی وصیة الحربی، یسلم ولیه، ایلزمه ان ینفذها، رقم ۲۸۸۳) ابوداؤد میں ہے کہ سو گردنیں آزاد کرنے کی انہوں نے وصیت کی تھی، چنانچہ باپ کے مرنے کے بعد ان کے ایک بیٹے ہشام نے پچاس گردنیں آزاد کر دیں اور دوسرے بیٹے حضرت عمروؓ نے قبول اسلام کے بعد باقی پچاس گردنیں آزاد کرنے کا ارادہ کیا، تو انہوں نے اس کی بابت رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر تمہارے باپ نے اسلام قبول کر لیا تھا تو تم اس کی طرف سے جو غلام آزاد کرو گے، یا صدقہ کرو گے، یا حج کرو گے تو وہ اسے پہنچے گا''۔

یہ روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے جس کی صحت کے بارے میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے، تاہم اکثر محدثین نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے، اس لئے یہ روایت تو یقیناً قابل استدلال ہے، لیکن اس سے صرف وہی امور ثابت ہوں گے جن کا ذکر اس حدیث میں ہے، اور وہ تین ہیں، غلام آزاد کرنا، صدقہ کرنا اور حج کرنا۔ روزوں کا ذکر اس میں نہیں ہے اور یہ تینوں چیزیں مالی عبادات سے تعلق رکھتی ہیں، جن کی اجازت صدقہ کرنے والی روایات سے بھی نکلتی ہے، اس لئے میت کے ایصال ثواب کیلئے یہ تینوں کام جائز ہوں

گے، اس سے میت کی طرف سے ہر قسم کی عبادت کرنے کا جواز ثابت کرنا صحیح نہیں۔

قرآن خوانی کی قباحتیں:

بہرحال قرآن خوانی کی رسم، جو بہت عام ہوگئی ہے، اس کا جواز ہی محل نظر ہے، شرعی دلائل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس کی اور بھی متعدد قباحتیں ہیں جنہیں دیکھتے ہوئے اس کا جواز تسلیم کرنا بہت مشکل ہے، مثلاً:

قرآن کریم زندوں کیلئے آیا ہے کہ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کے سانچے میں اپنی زندگی ڈھالیں، اس کے مطابق اپنا لائحہ عمل تیار کریں اور اسے اپنی زندگی کا دستور بنائیں۔ لیکن ایک مسلمان قرآن کریم کو اپنا دستور حیات تو نہ بنائے، اس سے ہدایت و رہنمائی تو حاصل نہ کرے بلکہ ساری زندگی اس کے اصول وضوابط کو پامال کرتے ہوئے گزار دے، لیکن مرنے کے بعد اسی قرآن کو کرائے پر پڑھوا کر اس کی نجات کا ذریعہ سمجھا جائے؟ یہ قرآن کریم کا احترام ہے یا اس کے ساتھ استہزاء و مذاق؟

اس طرح گویا قرآن کریم سے بے اعتنائی کا سبق دیا جاتا ہے، جب قرآن خوانی ہی کے ذریعے سے نجات ہو جائے گی تو پھر اس کے حلال وحرام کی پابندی کیا ضروری ہے؟ اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن خوانی کا رواج بالعموم انہی لوگوں میں زیادہ ہے جو زندگی میں قرآن کے احکام وقوانین کو ذرا اہمیت نہیں دیتے اور ساری زندگی اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں، اس طرح لوگوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم حیات بخش کتاب نہیں، بلکہ مردہ بخش کتاب ہے، یہ زندوں کی رہنمائی کیلئے نہیں آئی بلکہ صرف مردے بخشوانے کیلئے نازل ہوئی ہے، یوں قرآن خوانی کی رسم سے قرآن کریم کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کے ذہنوں سے نکالا جا رہا ہے۔

اس اعتبار سے یہ رسم مسلمانوں کو بے عمل اور بدعمل بننے اور بنانے کا ذریعہ ثابت ہو رہی ہے، اس کا یہ نتیجہ ہی اس کے غیر شرعی اور غیر صحیح ہونے کیلئے کافی ہے، تاہم مذکورہ دلائل سے بھی اس کا عدم جواز واضح ہے۔

مذکورہ مباحث کا خلاصہ:

بہرحال ایصال ثواب (یعنی فوت شدگان کو اجر وثواب پہنچانے کی نیت سے بعض نیکی کے کام کرنا) تو احادیث سے ثابت ہے، لیکن اس مقصد کیلئے صرف وہی کام اسی حد تک مشروع (جائز) ہیں جس کی صراحت احادیث میں ملتی ہے، جیسے نذر کے یا رمضان المبارک کے روزے رہ گئے، اسی طرح نسیان یا نیند کی وجہ سے کوئی

نماز رہ گئی، یا صاحب استطاعت ہونے کے باوجود کوئی حج نہیں کر سکا، یا کسی اور نیکی کے کام کی نذر مانی لیکن پوری نہ کر سکا، یہ تمام اعمال مرنے والے کے ذمے باقی رہ گئے، ان کا میت کی طرف سے ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے، جیسے اس کے ذمے بندوں کا قرض ہو، تو اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

لیکن یہ ادائے فرض کی وہ صورتیں ہیں جو ادائے قرض کی طرح ہیں، ان کو اللہ کا قرض قرار دیا گیا ہے، اس لئے ان کی ادائیگی ضروری ہے۔

دوسری صورت ادائے فرض کی نہیں ہے، صرف میت کے ورثاء اپنے مرنے والے کو ثواب پہنچانا چاہتے ہیں جس کو ایصال ثواب کہا جاتا ہے، اس کیلئے آپ نفلی نماز پڑھ کر، نفلی روزے رکھ کر ان کا ثواب میت کو نہیں پہنچا سکتے، اسی طرح قرآن خوانی کے ذریعے سے ثواب نہیں پہنچا سکتے، کیونکہ ان کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے، البتہ میت کی طرف سے غلام آزاد کر کے صدقہ و خیرات کر کے اور حج کر کے ان کو ثواب پہنچا سکتے ہیں، کیونکہ ان کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

اسی طرح مرحومین کیلئے دعائیں کی جا سکتی ہیں، ان سے بھی انہیں فائدہ پہنچتا ہے، اس کا ہمیں زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔ وما علینا الا البلاغ المبین.

مرکزی جامع مسجد چوک اہل حدیث میں حج سیمینار

مورخہ 15 دسمبر بروز بدھ مرکزی جامع مسجد چوک اہل حدیث جہلم میں حجاج کرام کی تربیت کیلئے حج سیمینار ہوا جس میں شیخ الحدیث مولانا محمد اکرم جمیل صاحب نے حج کے مسائل پر مفصل گفتگو کی اور رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر صاحب اور حضرت مولانا احمد علی صاحب (فاضل ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ) نے حج کا طریقہ بیان کیا۔ آخر میں عازمین حج کو پاکٹ سائز کتاب قندیل حج بھی دی گئی۔

رئیس الجامعہ کے تبلیغی پروگرام

مورخہ 12 دسمبر بعد از نماز مغرب جامع مسجد رحمت الٰہی اہل حدیث بلال ٹاؤن، مورخہ 19 دسمبر بعد از نماز مغرب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث سوہاوہ، مورخہ 26 دسمبر بروز اتوار بعد از نماز مغرب جامع مسجد اہل حدیث دینہ اور مورخہ 29 دسمبر بروز بدھ جامع مسجد علیا اہل حدیث سول لائن میں درس قرآن ارشاد فرمایا۔